Biannual Research Journal
AL-IDAH
Published by
SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF PESHAWAR
PESHAWAR, PAKISTAN
ISSN (Print) : 2075-0307
ISSN (Online) : 2664-3375
OPEN ACCESS
ششماہی تحقیقی مجلّہ
الإیضاح
شیخ زاید مرکز اسلامی جامعہ پشاور
www.al-idah.szic.pk
JAN-JUNE 2020
VOL:38 ISSUE:1

فلاحی ریاست میں عہدہ داروں کے چناؤ کا معیار

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)

Selection Criteria of Office Bearers in a Welfare State In the light of Seerah

Dr. Abzahir Khan
Associate Professor, Department of Islamic Studies, AWKU Mardan
Muhammad Ayub
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, AWKU Mardan

Article DOI: https://doi.org/10.37556/al-idah.038.01.0624

Abstract:
State is the basic requisite of any coordinated and civilized nation. The state must exist for maintaining harmony, adherence to law and mutual relationship within a nation. Each and every nation has undergone diverse experiences with respect to the state. However, the approach of a welfare state is found is the present day era. The approach of such a welfare state guarantees all the individual and collective rights of a nation. The main focus of a welfare state is human and humanities. All its potentials have to ensure the survival, safety of human beings and safeguarding his life, property and honor.
A welfare state holds various institutions which for the good and welfare of the masses. in order to run various administrator bodies, it requires competent and skilled persons. These persons and individuals should be equipped with integrity, power to work, moderations, competence, skill and experience in the concern faculty, so that they may

Scan for Download

put the institutions on the right direction and the people could benefit always.
In the perspective of the related article the standard of selecting office bearers in a welfare state has been dealt with.
***Key word**: welfare state, office bearers, experience.*

کسی بھی منظّم معاشرے کے لئے ریاست ایک بنیادی ضرورت ہے۔ معاشرے کی بقاء کے لئے اس کے اجتماعی اقدار کا تحفظ، امن وسلامتی اور اس کا نظم وضبط ایک ناگزیر ضرورت ہوتی ہے۔ دور جدید میں ریاست کا تصور ایک منظّم اجتماعیت کا نام ہے جو اپنے تمام شہریوں کو زندگی کی تمام بنیادی ضروریات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہو۔
اسی تناظر میں ایک فلاحی ریاست عوامی امنگوں کی مکمل ترجمانی کرتی ہے اور اس کی تمام تر توجہ عوام کی فلاح اور بہبود پر مرکوز ہوتی ہے۔ کسی بھی حقیقی فلاحی ریاست میں عوام کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے اور وہاں عوام خوشحال زندگی بسر کرتی ہے۔
فلاحی ریاست کو اسی فکر کے مطابق فعال بنانے کے لئے مختلف ادارے تشکیل پاتے گئے جب کہ ہر ادارے کے بعد ذیلی ادارے بھی تشکیل دیئے گئے تاکہ نچلی سطح تک عوام میں نظم وضبط برقرار رہے۔ اسلام فلاحی نظم ریاست کا قائل ہے اور نظم ریاست کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام نے عہدہ داروں کے چناؤ اور انتخاب کے لئے عمدہ معیار اور راہنما اصول بیان فرمائے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنائے تھے۔
مسلمانوں کے امور کسی اہل شخص کو سپرد کرنے کے لئے اداروں میں تقرری کے زرین عملی اصول دور نبوت اور عہد خلفاء راشدین میں اپنائے گئے۔
عصر حاضر کے حالات کے تقاضوں کا ادراک کرتے ہوئے فلاحی ریاست میں مختلف مناصب پر عہدہ داروں کی تقرری اور چناؤ کا جائزہ سیرت طیبہ کی روشنی میں لیا جائے تاکہ موجودہ دور کے بگڑے ہوئے سماجی توازن کو درست کیا جاسکے۔ اس مقالہ میں انہی معیارات کو زیر بحث لایا جائے گا۔
مقالہ کو دو بنیادی بحثوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اول: ریاست اور فلاحی ریاست کا تصور

(الف) ریاست کا معنی ومفہوم:

ریاست عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں ریاست کا مادہ "رائس" ہے اور اسی سے الرئیس ہے، اور رائس یا رئیس کا اطلاق بلند مرتبہ شخص پر ہوتا ہے(۱)۔ اردو اور فارسی زبان میں بھی انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ انگریزی زبان میں ریاست کے لئے لفظ اسٹیٹ (State) استعمال ہوتا ہے جو بنیادی طور پر یونانی لفظ اسٹیٹس (Status) سے ماخوذ ہے(۲)۔

ماہرین سیاسیات نے ریاست کی تعریف میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نظر کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ ریاست ایک سیاسی ادارہ کے ساتھ ساتھ سماجی ادارہ بھی ہے۔انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنس (Encyclopedia of social science) کے مطابق:

"ریاست انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لئے مل جل کر کام کرے"(۳)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃاللہ علیہ ریاست کی تعریف کرتے ہوئے "حجۃاللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:

"اہل مدینہ (اہل مدینہ سے مراد شاہ ولی اللہ کی ریاست ہے) سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام تمدن کے تابع اور پابندیوں میں باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں۔اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں ایک اجتماعیت تصور کیا جاتا ہے"(۴)۔

فلاحی ریاست:

فلاحی ریاست کا تصور سرمایہ دارانہ معاشرہ میں ہوتا ہے،فلاحی ریاست کو معاشرے کی بھلائی اور خوشحالی کا ذمہ دار مانا گیاہے۔انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا فلاحی ریاست کے بارے میں لکھتاہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

فلاحی ریاست میں حکومت عوام کی بقاء وترقی اور محروموں کی محرومی کا ازالہ کرتی ہے، یہ عوام کو گود سے لے کر گور تک سہارا فراہم کرتی ہے(۵)۔

فلاحی ریاست کی اس تعریف کے ساتھ ساتھ اگر عہدہ دار (بیورو کریسی) کی جامع تعریف بھی پیش کر دی جائے تو انتہائی مناسب رہے گا جو کہ کچھ یوں ہے:

بیورو کریسی مختلف اداروں پر مشتمل ریاست کا ایک منظّم حصہ ہے۔بیورو کریسی ایک اجتماعی منظّم کاوش کا نام ہے جو کسی بھی مقصد کو پانے کے لئے تشکیل دے دیا گیا ہو(۶)۔

ویبر کے مطابق کسی بھی بیورو کریسی میں درجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں۔

۱. اس کے لئے ایک منظّم سرکاری ادارہ کی ضرورت ہے جو قانون کے مطابق امور نمٹا سکے۔

۲. متنوع اداروں کے لئے متعلقہ اور مطلوبہ اہلیت کی بنیاد پر افراد مہیا کئے جا سکیں۔

۳. یہ ادارے تنظیمی ڈھانچے کے قوانین کی بنیاد پر بنیں،ہر بڑے ادارے کے ماتحت چھوٹے چھوٹے ادارے ہوں جبکہ بڑا ادارہ ریاست کے ماتحت ہو۔

۴. یہ ادارے تکنیکی مہارت کی اہلیت رکھتے ہوں،جس کے لئے بنیادی تربیت کی ضرورت ہے۔

۵. انتظامی اعمال،اہم فیصلہ جات اور جملہ مرتب کردہ قوانین ان کے پاس تحریر شدہ موجود ہوں(۷)۔

ذیل میں ہم فلاحی ریاست میں عہدہ داروں کے انتخاب اور چناؤ کا طریقہ کار، معیار اور اصول سیرت طیبہ علی صاحبها ألف ألف تحية وسلام کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

مبحث دوم: سیرت نبوی ﷺ میں عہدہ داروں کی اہلیت کا معیار:

۱۔ قوت

ہر وہ شخص جس کو کسی ادارے میں کوئی منصب دینا مقصود ہو، تو اسے صاحب قوت ہونا چاہئے۔

قوت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ(۸)"

ترجمہ: بے شک ان لوگوں میں سے جن کو تم مزدور رکھنا چاہو، اسے صاحب قوت اور امانت دار ہونا چاہئے۔

یعنی جو شخص بدنی قوت سے مالامال ہو اور مطلوبہ کام سر انجام دینے پر قادر ہو اور وہ مستقل مزاج اور امانت دار ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بہترین ملازم وہی ہوتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ جہاں تک جسمانی صحت کا تعلق ہے یہ ایک ایسی کھلی ہوئی چیز ہے کہ آدمی بیک نظر اس کا اندازہ کر سکتا ہے لیکن امانت و دیانت کا تعلق کردار سے ہے جس کا صحیح صحیح اندازہ تجزیہ سے ہوتا ہے۔ یہ تجزیہ عام حالات میں بہت دیر میں ہوتا ہے لیکن بعض حالات میں بالکل پہلی فرصت میں ہو جاتا ہے۔ آدمی کی پیشانی اور اس کی نگاہیں گواہی دیتی ہیں کہ یہ کس کردار کا آدمی ہے(۹)۔

مفتی محمد شفیع ؒ صاحب لکھتے ہیں:

آیت کریمہ میں قوی کو مقدم کر کے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کہیں دونوں صفتوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو تو پھر قوت اور عمل پر قدرت کی رعایت زیادہ مقدم اور راجح ہو گی اور ایسا کیوں نہ ہو کہ کام اور عمل کا تصور قوت اور قدرت کے بغیر ممکن ہی نہیں(۱۰)۔

قوت کی اہمیت کے حوالے سے حدیث أبی ذر ملاحظہ ہو:

"عن أبي ذر، قال: قلت: يا رسول الله، ألا تستعملني؟ قال: فضرب بيده على منكبي، ثم قال:يا أبا ذر، إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزي وندامة، إلا من أخذها بحقها، وأدى الذي عليه فيها(۱۱)"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عامل بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں گردن پر مارا اور فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے اور قیامت کے

دن یہ رسوائی اور ندامت ہے مگر جو لوگ اس کا حق ادا کریں اور جو اس کو درست طریقے سے سرانجام دیں ان کے لئے رسوائی اور پشیمانی نہیں ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ضعف سے مراد یہ تھا کہ ان پر زہد اور دنیا سے بالکل بے رغبتی اور دنیا کی تحقیر کا غلبہ تھا اور جس میں یہ صفت موجود ہو تو پھر وہ دنیا کے مصالح اور دنیا کے اموال کا اہتمام نہیں کر سکتا[۱۲]۔ اس سے مراد بدنی کمزوری نہیں بلکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی شخصی کمزوری ہے اور تدبیر امور جس طرح تقاضا کرتا ہے اس پر قادر نہ ہونا ہے[۱۳]۔

قوت کا تعلق زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ہے، عہدوں اور مناصب میں یہ بہت کارگر ہیں،

علامہ الموصلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وَالْقُوَّة فِي الحكم بَين النَّاس ترجع إِلَى الْعلم بِالْعَدْلِ الَّذِي دلّ عَلَيْهِ كتاب الله وَسنة رَسُوله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم والتفطن لحجاج الْخُصُوم وخدعهم وَهُوَ معنى قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أقضاكم عَليّ أَي هُوَ أَشد تفطنا للخداع وحجج المتحاكمين وخدعهم[۱۴]"

لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کی قوت، معرفت عدل و انصاف سے حاصل ہوتی ہے جس پر قرآن و سنت دلالت کرتے ہیں، اور اس سے مراد دشمنوں کی حجتوں اور دھوکہ دہی کو سمجھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول (تم میں سے علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بہترین منصف ہے) کا یہی معنی ہے کہ وہ مدعیوں کے استدلال اور فریب کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: "أعلمكُم بالحلال وَالْحرَام معَاذ بن جبل[۱۵]" کہ وہ حلال و حرام کے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ جب معاذ رضی اللہ عنہ حلال و حرام کا زیادہ علم رکھنے والا ہے تو وہ لوگوں کے درمیان صحیح فیصلہ صادر کرنے کی قوت اور صلاحیت بھی رکھے گا۔

۲۔ امانت:

امانت کا مفہوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے:

والأمانة ألا تخالف سريرة علانية[۱۶] یعنی انسان کی باطنی حالت ظاہری حالت کے مخالف نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[۱۷]" ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو۔

امانت کا لفظ بہت وسیع مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ تمام حقوق و فرائض خواہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے، انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، اپنوں سے متعلق ہوں یا بیگانوں سے، مالی معاملات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاملات کی قسم سے، صلح و امن کے دور کے ہوں یا جنگ کے، غرض جس نوعیت اور جس درجے کے حقوق و فرائض ہوں وہ سب امانت کے مفہوم میں داخل ہیں(۱۸)۔

قوت کے ساتھ ساتھ امانت بھی کسی عہدہ دار میں پائی جانے والی اہم صفات میں سے ہے۔ اس لئے ان دونوں صفات کے بغیر کوئی بھی بیوروکریٹ اپنی ذمہ داریاں کامیاب طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔ امانت ہی کی وجہ سے عوام الناس مطمئن ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے حقوق مل رہے ہیں جبکہ امانت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماعی مشکلات اور قومی حادثات پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں حکومت وقت اور بیوروکریسی سے نفرت پیدا ہوتی ہے جس سے پھر حادثات جنم لیتے ہیں، بایں وجہ قرآن کریم ان معاملات کو ایسے حضرات کو سپرد کر دینا چاہتا ہے جن سے لوگوں کی جان، مال اور عزت محفوظ و مامون ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی زبانی ارشاد فرمایا: "إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ(۱۹)" پس اگر چند بکریوں اور بھیڑوں کے چرانے والے میں قوت اور امانت کو شرط قرار دیا گیا ہے تو جس شخص کو امور سلطنت کے کلیدی عہدوں پر فائز کرنا ہو اس کے لئے بدرجہ اولیٰ قوت اور امانت جیسی صفات کا ہونا چاہئے۔

۳۔ اعتدال اور میانہ روی:

اعتدال امت مسلمہ کی نشانی ہے کسی بھی عہدیدار میں اعتدال اور میانہ روی بنسبت دوسروں کے زیادہ ہونی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا(۲۰)" ترجمہ: نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کہ کسی کو نہ دو) اور نہ ہی اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) کہ تم ملامت زدہ اور عاجز ہو کر رہ جاؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَا يَنْبَغِي أَنْ يَلِيَ هَذَا الْأَمْرَ يَعْنِي أَمْرَ النَّاسِ إِلَّا رَجُلٌ فِيهِ أَرْبَعُ خِلَالٍ: اللِّينُ فِي غَيْرِ ضَعْفٍ، وَالشِّدَّةُ فِي غَيْرِ عُنْفٍ، وَالْإِمْسَاكُ فِي غَيْرِ بُخْلٍ، وَالسَّمَاحَةُ فِي غَيْرِ سَرَفٍ، فَإِنْ سَقَطَتْ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ فَسَدَتِ الثَّلَاثُ(۲۱)"

"لوگوں کے امور (مناصب اور عہدے) ان لوگوں کے حوالے کرو جن میں یہ چار صفات ہوں: ایسی نرمی جس میں کمزوری نہ ہو، ایسی سختی جس میں بد اخلاقی نہ ہو، ایسی بندش جس میں بخل نہ ہو اور ایسی سخاوت جس میں اسراف نہ ہو اگر اس میں ایک خصلت بھی نہ رہے تو پھر تینوں خصلتوں کا کوئی فائدہ نہیں"۔

عربوں کے ہاں مشہور ضرب المثل ہے: لاتكن يابساً فتكسر ولا ليناً فتعصر(۲۲) ایسا خشک نہ بنو کہ توڑ دئے جاؤ اور نہ اتنا نرم بنو کہ نچوڑ دیئے جاؤ۔

۴۔ زیرک اور ہوشیار:

عہدہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیرک، ہوشیار، عقلمند اور ایسی شاطر سوچ والا ہو کہ ہر امر کے لئے مناسب لائحہ عمل طے کر سکتا ہو اور پھر کام کو مناسب طریقے سے انجام دے سکتا ہو اور یہ آدمی لوگوں کے ساتھ اور لوگ اس کے ساتھ محبت رکھتے ہوں، لوگ اس کی طرف اپنے کاموں میں رجوع کریں اور اس کے ساتھ انس پیدا کریں اور وہ بے خوف وخطر اپنے حوائج ان کے سامنے پیش کرتے ہوں۔

"لَقِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَكْبًا يُرِيدُونَ الْبَيْتَ، فَقَالَ:مَنْ أَنْتُمْ؟فَأَجَابَهُمْ أَحْدَثُهُمْ سِنًّا، فَقَالَ: عِبَادُ اللَّهِ الْمُسْلِمُونَ قَالَ:مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟قَالَ: مِنَ الْفَجِّ الْعَمِيقِ قَالَ:أَيْنَ تُرِيدُونَ؟ قَالَ: الْبَيْتَ الْعَتِيقَ، قَالَ عُمَرُ:أَوَّلَهَا لَعَمْرُ اللَّهِ، فَقَالَ عُمَرُ:مَنْ أَمِيرُكُمْ؟ فَأَشَارَ إِلَى شَيْخٍ مِنْهُمْ، فَقَالَ عُمَرُ:بَلْ أَنْتَ أَمِيرُهُمْ، لِأَحْدَثِهِمْ سِنًّا الَّذِي أَجَابَهُ بِجَيِّدٍ(۲۳)"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک وفد آیا جو بیت اللہ شریف جانے والا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا آپ کون لوگ ہیں؟ تو ان میں سے ایک نوجوان نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا دشوار گزار گھاٹی سے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا ہم قدیم گھر کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ تمہارا امیر کون ہے؟ انھوں نے ایک بزرگ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہمارا راہنما ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نوجوان سے فرمایا: نہیں آپ ان کے امیر ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کم عمر نوجوان کو امیر بنایا کیونکہ اس نے اچھی طرح سوالوں کے جواب دیئے۔

۵۔ متعلقہ کام اور منصب کی اہلیت:

مقرر ہونے والے شخص میں متعلقہ کام کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہونی چاہئے۔ کسی حکومت کے بہترین نظم ونسق کا دارومدار بنیادی طور پر اس بات پر ہے کہ کسی عہدہ کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا جائے وہ ہر جہت سے اس کام کے لئے موزوں ہو اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مردم شناس ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[٢٤]" ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کے پاس پہنچادیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہی آیت خاص طور پر حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انہیں یہ حکم ہے کہ اہل اشخاص کو کام سپرد کریں گے اور فیصلے عدل سے کریں گے کیونکہ یہ دونوں امور کسی بھی فلاحی ریاست میں ضروری ہیں[٢٥]۔

جس شخص کو متعلقہ کام کا علم اور تجربہ نہ ہو اور نہ اس کو کرنے پر قادر ہو پھر اس کو اس کام کا مکلف بنانا اس منصب کے ساتھ ظلم ہو گا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ أَنْ يَسْتَنِيبَ وَيَسْتَعْمِلَ أَصْلَحَ مَنْ يَجِدُهُ؛ وَيَنْتَهِي ذَلِكَ إِلَى أَئِمَّةِ الصَّلَاةِ وَالْمُؤَذِّنِينَ وَالْمُقْرِئِينَ وَالْمُعَلِّمِينَ وَأُمَرَاءِ الْحَاجِّ۔۔۔الخ[٢٦]"

ان لوگوں (یعنی امراء، سربراہ، قاضی اور فوج کے کمانڈر) میں سے ہر ایک پر یہ بات لازم ہے کہ اس شخص کو اپنا نائب اور عامل بنائیں جو ان کو سب سے زیادہ مناسب اور باصلاحیت نظر آئے اور یہ ذمہ داری آئمہ مساجد، موذنین، اساتذہ، حاجیوں کے امیر (غرض ہر شعبہ زندگی سے متعلق) کی طرف منتہی ہوتی ہے کہ ہر جگہ میں اپنے ماتحت میں سے سب سے زیادہ مناسب شخص کو مقرر کیا جائے جس پر وہ قادر ہو اگر اس نے زیادہ حق دار اور مناسب شخص سے اعراض کیا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی۔

۶۔ متعلقہ عہدہ اور منصب کا امتحان لینا:

جب حاکم یا کوئی ادارہ کسی کو عہدے پر مقرر کر رہا ہو تو انتظامی اور سیاسی مصلحتوں کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ اس سے متعلقہ عہدے کا امتحان لیا جائے اور جب اس شخص کے بارے میں اس منصب کے حوالے سے اطمینان پایا جائے تب اس کو ذمہ داری سونپی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر کا سنت وطریقہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اخنف بن قیس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے پاس آیا اور ان کے پاس ایک سال مقیم رہا۔ پھر فرمایا: اے اخنف! میں نے تمہیں آزمایا، مجھے معلوم ہے کہ تمہاری ظاہری حالت اچھی ہے اور مجھے امید ہے کہ تمہاری باطنی حالت بھی اسی طرح اچھی ہو گی۔ پھر فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں ایک سال کیوں اپنے پاس مقیم رکھا؟ فرمایا: اس وجہ سے تاکہ تمہارا امتحان لوں اور اس کے بعد اس کو والی مقرر کیا[٢٧]۔

یہ امتحانات ہر زمانے میں مختلف نوعیت کے ہوسکتے ہیں اور ہر نوع کا امتحان اس حوالے سے لیا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن قال:كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟، قال: أقضي بكتاب الله، قال:فإن لم تجد في كتاب الله؟، قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال:فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد رأيي، ولا آلو فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال:الحمد لله الذي وفق رسول، رسول الله لما يرضي رسول الله(۲۸)"

نبی کریم صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کرکے یمن کی طرف بھیج رہے تھے تو ان سے قضاء کے متعلق بطور امتحان اور آزمائش چند سوالات پوچھے۔آپ صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:اے معاذ!جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو تو تم کس طرح فیصلہ کروگے؟انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق۔پھر آپ صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پوچھا:اگر اس کا فیصلہ کتاب اللہ میں صراحتًہ نہ پاؤ تو پھر کس چیز کے مطابق فیصلہ کروگے؟انہوں نے جواب دیا:سنت رسول صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مطابق۔آپ صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پوچھا: اگر کتاب اللہ اور سنت میں بھی تم نہ پاؤ تو پھر کس طرح فیصلہ کروگے؟فرمایا:اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اور اس کوشش میں کوئی کمی نہیں کروں گا۔حضور صَلَّىٰ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے رسول (قاصد اور منصب دار) کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوش ہوتا ہے۔

۷۔صاحب نسب اور عزت دار کو مقرر کرنا:

جب کسی اہل شخص کو منصب دینا ہو تو اس میں عزت دار،مال دار اور صاحب نسب کو ترجیح دی جانی چاہئے کیونکہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ جرات اور بہادری کے ساتھ فیصلہ کرسکتا ہے وہ کسی کی دولت نیز اس فیصلہ کے انجام کے ڈر کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرائض منصبی ادا کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

قاضی اس شخص کو بناؤ جو مال اور اچھے نسب والا ہو کیونکہ صاحب مال شخص لوگوں کے مال کی طرف میلان نہیں رکھتا اور شریف نسب والا شخص لوگوں کے درمیان فیصلوں کے انجام سے نہیں ڈرتا(۲۹)۔

ہارون الرشید کے وزیر یحیٰ بن خالد نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّكُم لَا بُد لكم من عُمَّال وَكتاب فاستعينوا بأشراف النَّاس وَإِيَّاكُم والسفلة فَإِن النِّعْمَة على الْأَشْرَاف أزين وَالْمَعْرُوف عِنْدهم أثمن وَالشُّكْر مِنْهُم أحسن(۳۰)"

تمہارے لئے حکام کے بغیر چارہ نہیں (اس لئے) شریف لوگوں سے مدد حاصل کرو اور رذیل لوگوں سے بچتے رہو کیونکہ شریف لوگوں پر احسان کرنا اچھا ہے اور ان کے ساتھ نیکی کرنا قیمتی ہے اور ان کا شکریہ حاصل کرنا بہت بہتر ہے۔

خلاصۂ بحث:

ریاست کسی بھی منظّم اور مہذب قوم کی ضرورت ہے۔ ریاست کا وجود اس وقت سے ہے جب سے انسانیت قائم ہوئی ہے اگرچہ اس کی نوعیت اور شکل وصورت مختلف ہو سکتی ہے۔ دنیا کی ہر قوم اور خطہ نے ریاست کے حوالے سے بے شمار تجربات کئے ہیں اور وہ مختلف صورتوں میں ہر دور میں رائج رہی ہے۔

ماضی قریب میں جب دنیا پر مختلف نظریات کا غلبہ رہا تو ان نظریات کے تابع ریاستوں کی تشکیل ہوتی رہی جس نے عوام کی مشکلات میں کمی کی بجائے اور اضافہ کر دیا اس لئے ان تجربات کے بعد انسانیت اس امر پر متفق ہوئی کہ ایسا نظام ریاست ہونا چاہئے جس میں انسانیت کو مرکزی مقام حاصل ہو اور ریاست کی تمام تگ ودو اپنے عوام اور انسانیت کے لئے ہو اس لئے فلاحی ریاست کا تصور دنیا میں ابھر کر سامنے آیا۔

فلاحی ریاست کو اسی فکر کے مطابق فعال بنانے کے لئے مختلف ادارے تشکیل پاتے گئے فلاحی ریاست کے یہ ادارے افراد ہی کے ذریعے چلائے جاتے ہیں۔ ان اداروں کے لئے افراد کے انتخاب میں چند معیارات اور اصول ہونے چاہئیں جو اوپر تفصیل سے بمعہ دلائل کے گزر چکے۔

سفارشات:

۱. وطن عزیز کے مختلف اداروں میں افراد کے انتخاب کے وقت مذکورہ بالا معیارات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔
۲. عہدہ داروں کو ہر طرح کے وسائل کی ممکنہ فراہمی یقینی بنائی جائے تاکہ وہ بے فکری سے اپنے اپنے فرائض ادا کرتے رہیں۔
۳. عہدہ داروں کو ہر ممکن حد تک مضبوط کیا جائے اور ان کے فرائض کی ادائیگی میں کسی بھی قسم کی کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔
۴. نااہل افراد، اقرباء پروری اور بدعنوانی جیسے قومی امراض کے بارے میں سخت قوانین بنائے جائیں اور ان پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

۵. بیوروکریسی کی تربیت میں اس بات پر زور ہونا چاہئے کہ ان کے پاس جو بھی اختیارات اور وسائل ہیں وہ بہر حال قوم کی امانت ہیں، جس کا صد فیصد درست استعمال ہونا چاہئے۔

۶. بیوروکریسی کو عوام کا اعتماد چاہئے نیز ان کے اور عوام کے درمیان باہمی دوستانہ روابط ہونے چاہئیں تاکہ دونوں کے درمیان خلیج کو ختم کیا جائے۔

۷. اداروں کے سربراہان اور عہدہ داروں کو اس طرح رویہ اپنانا چاہئے کہ وہ حقیقی معنوں قوم کے خادم نظر آئیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی وحوالہ جات:

(١) ابن منظور افریقی، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر ۱۴۰۳ھ، ج ۳، ص ۹۲

(2) Joseph, Shipley Dictionary of word origins’, Philosophical Lib, New York,1945, p334

(3) Encyclopedia of social science, New York, volume 14, p205

(٤) دہلوی، قطب الدین شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور: زم زم پبلی کیشنز، ج 1، ص 44

(5) Encyclopedia of Britannica, London oxford press, v12, p134

(6) P.M Jackson’s, The political economy of bureaucracy, Springer science, Business media, LLC, p121

(7) Neil Garston, Bureaucracy: Three paradigms,1993, Springer science, Business media, LLC P4

(٨) سورۃ القصص ۲۶:۲۸

(٩) اصلاحی، مولانا محمد امین احسن، تدبر قرآن، لاہور: فاران فاویڈیشن ۲۰۰۹ء، ج ۵، ص ٦٧٠

(١٠) مفتی محمد شفیع صاحب، احکام القرآن، کراچی: دار المعارف، ج ۳، ص ۸۸

(١١) القشیری النیسابوری، مسلم بن حجاج ابو الحسین، صحیح المسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، کتاب الإمارة باب کراھة الإمارة بغیر ضرورة، ج ۳، رقم ۱۸۲۵

(١٢) النووی، ابوزکریا یحی بن شرف محی الدین، المنہاج شرح صحیح المسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج ۱۲، ص ۲۱۰

(١٣) قاسمی، ظافر، نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ، بیروت: دار النفائس، الفصل الثانی قواعد الولایة، ج ۱، ص ٤٧٦

(١٤) البعلی الموصلی، شمس الدین محمد بن محمد، حسن السلوک الحافظ دولة الملوک، ریاض: دار الوطن، الفصل الرابع ارکان الولایة، ج ۱، ص ۹۴

(۱۵) قزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت: داراحیاء الکتب العربیہ، کتاب الفضائل باب فضائل زید بن ثابت، ج۱، رقم: ۱۵۴۔

(١٦) الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ طبری (تاریخ الرسل الملوک)، بیروت: دار التراث ۱۳۸۷ھ، حمله الدرة وتدوینه الدواوین، سنة ثلاث وعشرین، ج۴، ص۲۱۳

(۱۷) سورۃ النساء ۴:۵۸

(۱۸) تدبر قرآن، ج۲، ص۳۲۲

(۱۹) سورۃ القصص ۲۸:۲۶

(۲۰) سورۃ الاسرء ۱۷:۲۹

(۲۱) صنعانی، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، بیروت: المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ، بَابٌ: كَيْفَ يَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَكُونَ؟، ج۸، رقم: ۱۵۲۸۸

(۲۲) نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ، باب مقام العلم فی التولیة، ج۱، ص۴۸۱

(۲۳) المصنف، بَابُ الْقَوْمِ يَجْتَمِعُونَ مَنْ يَؤُمُّهُمْ؟، ج۳، رقم: ۳۸۱۳

(۲٤) سورۃ النساء ۴:۵۸

(۲۵) قرطبی ابو عبد اللہ، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، بیروت: داالکتب ۱۳۸۴ھ، ج۵، ص۲۵۶

(٢٦) حرانی، تقی الدین ابو عباس احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، سعودی عرب: مجمع الملك فهد، فَصْلٌ أَمَّا أَدَاءُ الْأَمَانَاتِ، ج۲۸، ص۲۴۷

(۲۷) عمری، عبد العزیز ابراہیم، الولایۃ علی البلدان فی عصر الخلفاء الراشدین، بیروت: دارصادر، ج۱، ص۱۴۲

(۲۸) سجستانی ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، كتاب الأقضية باب اجتهاد الرأي في القضاء، ج۳، رقم: ۳۵۹۲

(۲۹) ڈاکٹر حمید اللہ، الواثائق السیاسیۃ، بیروت: دار صادر، کتاب عمر الیہ ایضاً فی تعیین صغار القضاۃ فی عمالتہ، ص۴۳۷

(۳۰) الشافعی، ابو عبد اللہ محمد بن علی، تھذیب الریاسۃ وترتیب السیاسۃ، بیروت: اردن، مکتبۃ المنار، بَاب فِي إختيار الوزراء والعمال، ص۱۴۰